© rasailojaraid.com

اخلاق اور اسلامی معاشرہ

عبد الرحمن شاہ ولی

(۱)

اخلاق کی غرض و غایت بنی نوع انسان کی سعادت ابدی ہے۔ اس سعادت کو حاصل کرنے کے طریقے اگرچہ مختلف اور متنوع ہیں، لیکن پایان کار دو باتیں ان سب میں مشترک ہیں ، تخلی اور تحلی ، یعنی پہلے رذائل اور برے خصائل سے اپنے آپ کو پاک اورصاف کرنا پھر فضائل اور اچھےصفات اور بلند اور پاکیزہ خصال سے اپنے آپ کو آراستہ کرنا۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اچھے خصائل اور انسانی فضائل کا انکار کرتے ہیں ان کے نزدیک اخلاقی قوانین اور ضوابط کی کوئی قد و قیمت نہیں، جیسے سوفسطائیہ کا وہ مشہور فرقہ جس کی قیادت کالیکلیس کے ھاتھ میں تھی ، کالیکلیس کا خیال تھا کہ الوھیت کا عقیدہ شریعت والوں نے گھڑ لیا ہے اور اس کی حقیقت خرافات سے زیادہ نہیں۔ اور اخلاقی فضائل کے متعلق اس کا یہ دعوی تھا کہ یہ ادنی درجہ کے عوام اور جمہور کے ذھن کی إختراع ہے، اور اس کا مقصد انقلابی افکار کا راستہ روکنا ہے[۱] اور یہی خیال موجودہ زمانہ کے الحادی فرقوں کا ہے جیسے وجودی اوردیگر اباحی فرقے ، کیونکہ یہ تمام فرقے درحقیقت سوفسطایت کی شاخیں ھیں، اس لئے کہ ان کی نظر میں انسانی سعادت صرف مادی لذتوں میں ہے، اور ان کے حاصل کرنے کے طریقے اخلاق اور دینی اقدار کے پابند نہیں۔

بہر حال بے دین اور مادہ پرست طبقوں کا اخلاقی فضائل کے متعلق ہر جگہ اور ہر زمانے میں وھی موقف رہا ہے جو کہ سوفسطائی مکتب فکر والوں

---

(۱) تفصیل کے لئے ۔ الخصوبۃ و الخلود لا فلاطون ۔ تالیف ڈاکٹر محمد غلاب کا مطالعہ کیا جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا تھا ۔ اور ان کے مد مقابل ہمیشہ ایک گروہ محکم عقائد و ان افکار کے مالک فلاسفہ اور دینداروں کا بھی رہا ہے جن کی نظر میں بنی نوع انسان کی انفرادی اور اجتماعی فلاح و بہبود اور سعادت و کامرانی ابدی اخلاقی فضائل میں مضمر ہے، اور اس کے لئے مادی اور جسمانی لذتوں کو مقید کرنا ازحد ضروری ہے۔ اس گروہ کی نظر میں جس شخص نے اخلاقی فضائل کو اپنا یا اور بری خصلتوں سے اجتناب کیا وہ ہر حال میں سعادت مند اور قابل رشک ہے۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ اپنی شہوات، خواہشات، انفعالات اور طبیعی میلانات کو قابو میں رکھے اور اخلاقی قواعد کے مطابق ان کی تہذیب و اصلاح کا کام ہمیشہ بیداری اور مستعدی سے کرتا رہے۔ سقراط کا قول ہے کہ جب انسان کا کردار اچھا ہو تو لوگ چاہے اس کو حقیر سمجھیں، اس کو گالی دیں، اور اس کے ساتھ پاگلوں جیسا برتاوکریں، اس کو ان باتوں سے کوئی تکلیف نہ ہوگی، جبکہ وہ با اخلاق ہے۔[1] سقراط کی طرح اس کے شاگرد افلاطون کا بھی یہی خیال تھا کہ سعادت شہوات اور خواہشات پر غلبہ حاصل کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور اسی میں قوت عاقلہ کی برتری ہے۔ اس غلبہ کے بعد انسان نور اور عدل میں زندگی بسر کرتا ہے، ظلم و ظلمت سے دور ہو کر اس کا تعلق خدا کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے، اور اعلیٰ ترین معارف سے اس کا دامن بھر جاتا ہے، اس لئے کہ جب اس کا نفس ناطقہ بدکاریوں سے ملوث نہ ہوگا تو اس کی عقل اور ان معارف میں، جن میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں، کوئی پردہ حائل نہیں رہے گا۔ افلاطون اس نوعیت کے معارف کو وحی سے تعبیر کرتا ہے[2]۔ اور یہی وجہ ہے کہ افلاطون کے فلسفہ میں اخلاق کا معرفت سے گہرا تعلق ہے۔ بلکہ افلاطون اپنے استاذ کی طرح اخلاق اور معرفت میں پانی اور برف کے تعلق کا قائل ہے۔

---

(۱) مصدر سابق

(۲) مصدر سابق ص ۲۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی لئے تو اس کے افکار، معارف اور اخلاق اور سیاست میں امتزاج کی حد تک خلط ملط ہو گئے ہیں ۔

افلاطون محبان معرفت کو ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین کرتا تھا ۔ اور اس کا یہ خیال تھا ، کہ انسانی رغبت اور خواهش اگر یکسوئی کے ساتھ معارف کی طرف متوجہ ہو جائے ، تو پھر اس کا طواف عقلی لذائذ کے ارد گرد ہوگا ، اور مادی اور حسی لذتوں سے وہ دور رہے گا ۔ اس لئے کہ انسانی رغبت پانی کے مانند ہے کہ اگر ایک سمت پوری قوت سے چلتا رہے تو دوسری طرف اس کی رفتار انتہائی سست ہوگی ۔ افلاطون کی نظر میں ہر متوازن اور مبنی برعدل معاملہ کا انجام اخلاقی فضیلت ہے ، اور غیر متوازن عمل کا انجام رذائل میں مبتلا ہونا ہے ۔ توازن اور اعتدال اس کے خیال میں خواہشات کو قابو میں رکھنے کا نام ہے ، اور جس شخص کی ذات میں خیر کو شر پر غلبہ حاصل ہوجائے وہ اپنے نفس کا آقا ہے ۔ لیکن جس کا شر اس کے خیر پر غالب آجائے وہ نفس کا غلام ہے ۔

ان تمام باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ افلاطون اخلاق اور معرفت کے باهمی امتزاج میں اپنے استاذ سقراط سے متفق ہے ، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے استقلالی فلسفہ میں سقراط کی اس بات کا قائل نہیں کہ : " العلم فضیلہ و الجہل رذیلہ " یعنی علم فضیلت ہے اور جہل رذالت ہے ۔ سقراط کا یہ قول مبالغہ آمیز ہے اس لئے کہ بہت سے لوگ فضائل کو جانتے ہوئے بھی اسے نہیں اپناتے اور رذائل کا علم ہوتے ہوئے بھی اس سے اجتناب نہیں کرتے ۔ قرآن کریم نے اس سے ملتی جلتی بات اپنے بلیغ انداز میں یوں کہی ہے : " اتأ مرون الناس بالبر و تنسون انفسکم و انتم تتلون الکتاب افلا تعقلون " ، لوگوں کو اچھی باتوں کی نصیحت کرتے ہو اور اپنے آپکو بھول جاتے ہو ، دراں حالیکہ تم کتاب پڑھتے ہو ، کیا تم سمجھتے نہیں ؟ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اهل کتاب کو نہ صرف فضائل کا علم تھا ، بلکہ وہ لوگوں کو اس کی نصیحت بھی کرتے تھے ، لیکن خود اس سے عاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے ۔ اسی طرح اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی تھے جو محمد صلی اللہ علیہ و سلم کی نبوت اور اس کی اہمیت سے باخبر تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے انکار کیا ۔ قرآن ان کے متعلق یوں فرماتا ہے "یعرفون نعمت اللہ ثم ینکرونہا"، وہ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں، پھر اس کا انکار کرتے ہیں۔ بہر حال بہت سے لوگ نیکی کو جانتے ہوئے بھی نیک کام نہیں کرتے اور بدی کے نتائج کا علم ہوتے ہوئے بھی اس کے ارتکاب سے باز نہیں رہتے ۔ البتہ یہ بات ضروری ہے کہ پختہ علم اور ایمان راسخ عمل کی طرف دعوت دیتا ہے اور انسان کو ایک حد تک نیک عمل پر مجبور بھی کرتا ہے۔

افلاطون کی نظر میں اخلاق فاضلہ کا انحصار انسان کی ان تین قوتوں کے اعتدال پر ہے: شہویہ ، غضبیہ ، عاقلہ ، اور یہ قوتیں اعتدال پر ہوں تو ان کو بالترتیب : عفت ، شجاعت ، اور حکمت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ افلاطون کی طرح ارسطو بھی انسانی سعادت کو اخلاق فاضلہ میں مضمر سمجھتا ہے۔ اس کے خیال میں انسانی سعادت لذت پسندی اور شہوت پرستی میں نہیں۔ اسی طرح دنیا کی کسی اور چیز جیسے جاہ و منصب اور لوگوں کی طرف سے اعزاز و اکرام میں بھی نہیں۔ اس لئے کہ یہ چیزیں انسان کی ذات میں نہیں ہیں، بلکہ غیروں سے متعلق اور مستعار ہیں۔ وہ چاہیں تو اس کو بخشدیں اور نہ چاہیں تو اس کو محروم بھی کر سکتے ہیں۔ سعادت مندی جو کہ خیر ہے، ضروری ہے کہ وہ انسان کی ذات میں ہو، غیر سے مستعار نہ ہو۔ اسی لئے تو ارسطو کی نظر میں انسان کی سعادت حکمت میں ہے، اور یہ عقل کی کار کردگیوں میں سے ہے۔ اور اسی وجہ سے حکمت انسان کا امتیازی نشان ہے، اور انسان کی سعادت بھی اس کے امتیازی خاصہ کے ساتھ وابستہ ہے، جو کہ عقل ہے۔ واضح ہوا کہ سعادت کا تعلق اس کے نزدیک تفکیر عقلی سے ہے۔ ارسطو کی نظر میں فضیلت افراط اور تفریط کے درمیان میں ہے اور افراط و تفریط رذائل میں سے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخلاق کے اس تاریخی پس منظر سے واضح ہوتا ہے کہ خلق کا تعلق انسانی زندگی کے ساتھ بہت گہرا اور زندگی کے تمام شعبوں پر چھایا ہوا ہے، اور انسان کی سعادت اور کام یابی کا مدار صرف اخلاق فاضلہ پر ہے۔ اسی لئے تو ہر زمانے میں اور ہر جگہ اخلاق کا نظری اور عملی طور پر انتہائی اہتمام کیا گیا ہے۔ تمام ادیان سماوی اور جملہ حکما نے اخلاق فاضلہ کو اپنانے کی تلقین کی ہے، اور اس کو انسانی سعادت کی بنیاد قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ کسی بھی سوسائٹی یا جماعت اور مجتمع کی اصلاح اور اسی طرح ایک فرد کا دوسرے فرد سے تعلق بغیر اخلاق فاضلہ کے ہر گز استوار نہیں ہو سکتا، اور اپنے خالق سے اچھا تعلق اور رابطہ پیدا کرنے کا ذریعہ بھی یہی ہے۔ صرف حکومت کے قانون سے معاشرہ اس لئے درست نہیں ہو سکتا کہ قانون کا نفاذ بھی تو انسان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اگر وہ با اخلاق نہیں، تو قانون کو ظلم و ستم کا ذریعہ بنا سکتا ہے۔ پھر قانون کا دائرہ بہت تنگ اور محدود ہے اس میں انسان کے تمام اعمال کی جزاء اور سزا کو محصور نہیں کیا جا سکتا۔ انسانی انفعالات اور دیگر باطنی اعمال جن کا تعلق نیت اور عقیدے سے ہوتا ہے قانون کے دائرہ سے بالکل خارج ہیں۔ مثلا قانون کے دائرہ میں حسد، تکبر، چغلی، غیبت، بخل، حرص، اسراف وغیرہ ذمائم نہیں آتے، حالانکہ یہ ایسے امراض ہیں کہ اس سے فرد اور جماعت دونوں کو ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے۔ ان مہلک امراض کا علاج صرف اخلاقی تربیت سے ہو سکتا ہے، جو کہ اخلاقی قواعد کے مطابق ہو۔

اسلام اور اخلاق

اسلام میں اخلاق کی اہمیت بہت سی آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ سے رسول اکرم کے اخلاق کے متعلق پوچھا گیا۔ تو آپ ؓ نے فرمایا '' کان خلقہ القرآن ،، رسول اکرم کا خلق قرآن تھا، یعنی آپ قرآنی تعلیمات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا مجسم نمونہ تھے۔ اور اسی وجہ سے اللہ تعالے نے فرمایا ہے: " لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ " ، بےشک تمہارے لئے رسول اللہ میں بہتر نمونہ ہے۔ اور رسول خدا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا " و انک لعلی خلق عظیم " بے شک آپ بلند اخلاق کے مالک ہیں۔ حدیث عائشہ سے اخلاق کی اہمیت کے ساتھ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم ایک اخلاقی صحیفہ آسمانی ہے اور دین اخلاق حسنہ کا دوسرا نام ہے۔ رسول اکرم کے ارشادات میں اس کی تصریح بھی ملتی ہے، جیسا کہ امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے۔ " جاء رجل الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من بین یدیہ فقال یا رسول اللہ ماالدین قال حسن الخلق ۔ ثم اتاہ من قبل یمینہ فقال یا رسول اللہ ماالدین قال حسن الخلق ثم اتاہ من قبل شمالہ فقال یا رسول اللہ ماالدین فقال حسن الخلق ، ثم اتاہ من ورائہ فقال یا رسول اللہ ما الدین ، فالتفت الیہ و قال اماتفقہ ھو الا تغضب " (۱)

رسول اللہ کے پاس ایک آدمی نے سامنے سے آکر کہا دین کیا ہے؟ آپ ص نے فرمایا اچھا اخلاق ۔ پھر دائیں طرف سے آکر کہا ۔ یا رسول اللہ دین کیا ہے؟ آپ ص نے فرمایا۔ اچھا اخلاق ۔ پھر بائیں طرف سے آکر کہا کہ دین کیا ہے ؟ آپ ص نے فرمایا اچھا اخلاق پھر۔ پیچھے سے آکر کہا کہ دین کیا ہے؟ آپ ص نے فرمایا ۔ کیا تم سمجھتے نہیں ، وہ یہ ہے کہ تم غصہ نہ کرو ۔

اس روایت میں بتاکید اس امر کی وضاحت ہے کہ دین اخلاق حسنہ کا نام ہے ۔ اور اسی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق. (۲) بلا شبہ میں بہتر اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں ۔

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ ص سے پیشتر انبیاء کی بعثت کا

---

(۱) احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۴۸

(۲) رواہ البیھقی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقصد بھی اچھے اخلاق کی تعلیم دینا تھا جس کی تکمیل آنحضور کی بعثت سے ہوئی، جس طرح کہ دین اسلام کی تکمیل آپ ص کی رسالت سے ہوئی۔ "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا"، آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کردیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا۔

ابن مسکویہ کا قول ہے: والحکمۃ جزءان، نظری و عملی۔ فبالنظری یتمکن المرء من تحصیل الاراء الصحیحۃ ویصل الی ما تتشوق الیہ نفسہ من حقائق فتسکن نفسہ و یطمئن قلبہ و تذھب حیرتہ و یظہر لہ وجہ الحق، فیکون لہ من ذلک لذۃ نفسیۃ لا تعادلھا لذۃ اخری۔ و بالجزء العملی یمکن تحصیل الھیئۃ الفاضلۃ التی تصدر عنھا الافعال الجمیلۃ و بھذین بعث اللہ الانبیاء صلوات اللہ علیھم لیحملوا الناس علیھا [1] حکمت کے دو جز ہیں، ایک نظری اور دوسرا عملی۔ نظری سے انسان صحیح افکار حاصل کر کے ان حقائق تک پہنچتا ہے جن کو روح چاہتی ہے۔ پس اس کو سکون حاصل ہو کر اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے اور اس کی حیرت چلی جاتی ہے اور اس کے سامنے حق کا چہرہ ظاہر ہو جاتا ہے، اس وقت اس کو اس سے ایسی روحانی لذت حاصل ہوتی ہے جس کے برابر کوئی بھی لذت نہیں۔ اور عملی جزء سے ایک کیفیت فاضلہ حاصل ہوتی ہے جس سے اچھے افعال صادر ہوتے ہیں۔ اور انہی دو اجزاء حکمت کے ساتھ اللہ تعالی نے انبیاء کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو اس کا پابند بنائیں۔ ابن مسکویہ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ اس کی نظر میں تمام انبیاء کی بعثت اخلاق کی تعلیم اور تربیت کے لئے ہوئی ہے۔ اس سے علماء اسلام کی نظر میں اخلاق کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

---

(۱) الفوز الاصغر ص ۶۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخلاق کی تعریف

علم اخلاق کا کام انسانی اعمال و افعال کو پر کھنا ہے تا کہ انسان اچھے اور برے میں تمیز کر کے راہ سعادت اختیار کرے ، لیکن اس کے احکام الزامی نہیں محض و صفی ہوتے ہیں ، یعنی اچھے خصال پر عمل کرانے اور برے افعال سے روکنے کے لئے وہ کوئی طاقت استعمال نہیں کرتا بلکہ صرف ارشاد اور ہدایت سے کام لیتا ہے۔ طاقت سے قانون حکومت کی حفاظت کی جاتی ہے قانون اخلاق کی نہیں۔

اخلاق کی مختلف تعریفات علماء اخلاق نے کی ہیں ، لیکن امام غزالی کے خیال میں انہوں نے اخلاق کی تعریف نہیں کی بلکہ اس کی خصوصیات میں سے ایک یا زیادہ خصوصیتیں بیان کر دی ہیں۔ اخلاق جو کہ خلق کی جمع ہے غزالی اور ابن مسکویہ و غیرہ کے نزدیک ایک اندرونی کیفیت یا ملکہ اور قوت کا نام ہے ، جس سے افعال بغیر تکلف کے صادر ہوتے ہیں۔ پس وہ ملکہ اگر افعال خیر کا مصدر ہے تو اس کو خلق حسن کہا جائے گا ورنہ خلق بد ہو گا۔ میرے نزدیک یہ تعریف اپنی جامعیت اور ما نعیت میں یکتا ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے۔ کہ رسول اکرم سے کسی نے پوچھا کہ خلق حسن کیا ہے ؟ تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی : " خذ العفو و امر بالعرف و اعرض عن الجاھلین ،، عفو کو اپنا شعار بناو ، اچھی بات کا حکم دو اور جاہلوں سے درگذر کرو۔ اس کے بعد آپ نے مزید تشریح کے لئے فرمایا " ہو ان تصل من قطعک ، و تعطی من حرمک و تعفو عمن ظلمک ،، [1] اچھا خلق یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ رشتہ جوڑو جس نے تم سے قطع تعلق کر لیا ، اور اس کو دو جس نے تم کو محروم کر دیا ، اور اس کو معاف کر دو جس نے تم پر ظلم کیا۔ گویا آپ نے اچھے اخلاق کے بعض خصوصیات بیان فرمائیں۔

---

(۱) احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۴۸ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام غزالی کا قول ہے: ان حسن الخلق یرجع إلی اعتدال قوۃ العقل ، وکمال الحکمۃ و الی اعتدال قوۃ الغضب ، و الشہوۃ ، و کونہا للعقل مطیعۃ و للشرع ایضا ۔ [1] اچھے اخلاق کا مرجع قوت عاقلہ کا اعتدال اور حکمت کا کمال ہے، نیز قوت غضبیہ اور شہویہ کا اعتدال اور ان کا شریعت اور عقل کے تابع ہونا ہے۔ یعنی ان قوی کے اعتدال اور شرع اور عقل کے تابع ہونے سے اچھے اخلاق اور بہتر کردار کا ظہور ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ غزالی دیگر اسلامی فلاسفہ اور ارسطو کی طرح اعتدال اور میانہ روی کو فضائل کی اصل سمجھتے ہیں، اور یہی رائے کندی اور ابن مسکویہ و غیرہ کی بھی ہے۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ فلاسفہ اسلام ارسطو سے متاثر ہیں۔ ہم نے ابتداء میں اس کے خیال کا ذکر کیا ہے اور مندرجہ قول بھی اس کی طرف منسوب ہے: قال ارسطوطیلس الخیر عسیر الثبات لان الصواب و احد و الخیر محدود ، قال و ذلک لان الوسط لواحد منا و احد و اما الخطأ فہین لان تجاوز الغرض ہین، قال و العلۃ ان ما جاوز الوسط کأنہ لا نہایۃ لہ [2]

خیر کا بر قرار رہنا دشوار ہے اس لئے کہ حق ایک ہے اور خیر محدود ہے۔ یہ اس لئے کہ ہم میں سے کسی ایک کا وسط ایک ہی ہوتا ہے۔ رہی خطا سو وہ آسان ہے کیونکہ مقصد سے تجاوز آسان ہوتا ہے، اس لئے کہ جو چیز وسط سے تجاوز کر جاتی ہے پھر اس کی انتہا نہیں ہوتی ۔ اسی طرح اس کی طرف یہ قول بھی منسوب ہے : الرذائل کلہا انما تثبت بالزیادۃ و النقصان ، قال و أما التوسط من الافعال فانہ محمود [3] سب رذائل زیادتی اور نقصان سے پیدا ہوتے ہیں اور توسط اور اعتدال تمام احوال اور افعال میں پسندیدہ ہے۔ ارسطو کے مندرجہ

---

(۱) احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۵۶ ۔

(۲) السعادۃ و الاسعاد ص ۳۶ تالیف ابی الحسن ابن ابی ذر محمد یوسف العامر المتوفی ۳۸۱ ھ ۔

(۳) السعادۃ و الاسعاد ص ۳۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالا اقوال کا خلاصہ اس کا یہ قول ہے :۔ ''قال ارسطوطیلس یمکن ان یقال فی الفضیلہ بانہا توسط بین رذیلتین''[1] ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ فضیلت دو رذائل کے بیچ میں ہے۔

غزالی اور ابن مسکویہ اور اخوان الصفاء اس بات میں افلاطون اور ارسطو کے ہم خیال ہیں کہ فضیلت افراط اور تفریط کے وسط کا نام ہے۔ لیکن اخوان الصفا کے نزدیک حقیقی فضیلت اللہ کے ساتھ محبت میں ہے اور اس کی غرض و غایت فنا فی اللہ ہونا ہے اور اس محبت کی دو علامتیں ہیں: ایک تو بلا امتیاز جنس و مذہب تمام انسانوں سے محبت کرنا اور دوسری قضاء و قدر پر راضی ہونا۔ ان کے خیال میں کامل اخلاق کا حامل انسان مندرجہ ذیل صفات کا مالک ہوتا ہے:
''ان یکون عربی الدین مسیحی المنہج، یونانی العلم، ہندی البصیرۃ، صوفی السیرۃ، ملکی الاخلاق، الہی المعارف''[2] یعنی اس کا دین عربی طریق مسیحی علم یونانی اور بصیرت ہندوستانی ہو، وہ صوفی سیرت اور فرشتہ خصلت ہو، اور معارف الہیہ سے بہرہ ور ہو۔ اخوان الصفا کے نزدیک اصلاح باطن اور تزکیہ نفس انسانی سعادت کا واحد ذریعہ ہے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے انہوں نے باون (۵۲) رسالے لکھے ہیں[3]۔ ان کی طرح کندی اور ابن سینا اور عام اسلامی مفکر افلاطون اور ارسطو کے نظریہ فضیلت سے صرف متفق ہی نہیں بلکہ ان سے ایک حد تک متاثر بھی ہیں۔

مشاہیر میں سے صرف فارابی ایک حد تک سقراط سے متأثر ہیں جس کی دلیل ان کا یہ مشہور قول ہے کہ جس نے ارسطو کی کتابوں پر عمل تو کیا لیکن ان کو سمجھا نہیں، اس سے وہ شخص بہتر ہے جو ارسطو کی کتابوں کو

---

(۱) بمصدر سابق ص ۲۰

(۲) رسائل اخوان الصفا ج ۳ ص ۳۱۶

(۳) رسائل اخوان الصفا ج ۱ ص ۲۶۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھتا ہو اور اس پر عمل نہ کرتا ہو۔ گویا فارابی معرفت ہی کو فضیلت قرار دیتے ہیں، لیکن علم و عمل میں دوئی یا دوری کے متعلق سقراط سے اختلاف کرتے ہیں، اس لئے کہ سقراط کے نزدیک عالم خیر فاعل شر نہیں ہو سکتا جیسا کہ فاعل شر عالم خیر نہیں ہو سکتا۔ بہر حال عام اسلامی مفکرین اگرچہ ارسطو اور افلاطون کے ساتھ فضیلت کو توسط بین الافراط و التفریط قرار دینے میں متفق ہیں اور فضائل کی تشریح اور تقسیم میں قدرے متاثر بھی ہیں، لیکن اعتدال اور توسط خالص اسلامی نظریہ ہیں۔ قرآن اور سنت سے اس کا بین ثبوت ملتا ہے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں رسول اکرم سے روایت کی ہے "خیر الامور اوساطھا" بہترین امور اوسط درجہ کے امور ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم نے امت مسلمہ کو امت متوسطہ قرار دیا ہے "و کذلک جعلنا کم امۃ و سطا" اور اسی طرح بنا دیا ہم نے تم کو بیچ کی امت، یعنی مسلمان اپنے گفتار اور کردار میں اعتدال اور توسط کو اختیار کرتا ہے، افراط اور تفریط سے اجتناب کرتا ہے۔

قرآن کریم نے بہت سی آیات میں توسط، اعتدال، قسط اور عدل کا حکم دیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اعتدال کا نظریہ اسلام کا اپنا ہے وہ ارسطو یا کسی اور سے مستعار نہیں۔ خرچ کرنے میں میانہ روی کا حکم اسلام نے یوں دیا ہے "ولا تغلل یدک الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط" اپنا ہاتھ گلے سے نہ باندھو اور نہ اس کو بالکل پھیلا دو۔ اسی طرح عدل اور قسط کے متعلق فرمایا: یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ و لو علی انفسکم او الوالدین و الاقربین" اے ایمان والو انصاف و عدل پر قائم رہو ہمیشہ حق کی گواہی دو، یہ گواہی اپنی ذات والدین یا اقارب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

◆◆◆◆

© rasailojaraid.com